اِنسان دوستی لبرل ازم
جمہوریت

تالیف : اقبال خاں

ترجمہ : قاضی جاوید

اِنسان دوستی، لبرل ازم، جمہوریت

تالیف: اقبال خاں

ترجمہ: قاضی جاوید

مشعل

آر-بی 5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

MashalBooks.org

فہرست

پیش لفظ	5
انسان دوستی	9
انسان دوستی کی تحریک کا آغاز	9
انسان دوستی کے معنے	13
آزادی	14
فطرت پرستی	15
تاریخی پس منظر	17
مذہب	18
رواداری	19
سائنس	20
لبرل ازم	23
تعارف	23
تاریخی اسباب	27
آزادی کے بارے میں تصورات	39
مذہبی آزادی	39

MashalBooks.org

انسان کے حقوق اور اتفاق رائے کی حکومت 45

انسان لازماً ایک سماجی ہستی ہے 55

لبرل ازم پر انتہا پسندوں کی نکتہ چینی 68

آزادی مساوات اور ریاست 76

جمہوریت 87

چند بنیادی حوالے 130

یونانی تہذیب 130

رومن تہذیب 130

جمہوری ایتھنز کی ذلت 132

وحشیوں کے حملے 133

کلاسیکی علوم 134

قرون وسطیٰ 135

بزنطانی سلطنت 138

تیسری ری پبلک (فرانس) 153

ناعلمی 155

انگریزوں کی خانہ جنگی 161

شاندار انقلاب 162

MashalBooks.org

پیش لفظ

ثقافتی لحاظ سے اس وقت دنیا دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے، صنعتی اور غیر صنعتی۔ یورپ میں صنعتی ترقی کے عمل کے نتیجہ میں جو سیاسی، معاشی اور سماجی تبدیلیاں آئیں انہوں نے نہ صرف پرانی اقدار، روایات اور نظریات کو کمزور کیا اور توڑا، بلکہ اس خلا کو نئے اداروں اور افکار سے پُر کیا۔ اس سارے عمل میں سیاست اور مذہب دو جدا چیزیں رہیں اور یہی وجہ تھی کہ یورپ کے معاشرے میں جمہوریت اور سیکولرازم کی روایات فروغ پا سکیں۔ غیر صنعتی ثقافتی معاشروں میں مذہب اور سیاست کو ایک سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے سیاسی حاکمیت کا جواز مذہب میں تلاش کیا جاتا ہے۔

اگر اس نقطۂ نظر سے ہم پاکستان کے معاشرے کا مطالعہ کریں تو ہمارے سامنے یہ بات واضح ہوسکتی ہے کہ اسلام کا تعلق غیر صنعتی ثقافت سے ہے، اس لئے یہاں مذہب ہماری پوری زندگی پر مکمل طور پر حاوی ہے اور خصوصیت سے ہماری سیاست کا دارومدار مذہبی جذبات پر ہے۔ ہم سیاسی مسائل کو سیاسی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ مذہب کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں، لہٰذا اس سے ہمارا سیاسی معاشرہ کم ہوتا چلا جاتا ہے اور مذہبی جذبات گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے جن ملکوں میں جدید اصطلاحات بری طرح ناکام رہیں۔ اس کی مثال رضا شاہ اور محمد رضا شاہ کا ایران ہے جس کی جدیدیت کے عمل کی مذہبی رہنماؤں نے مخالفت کی اور اس کا تختہ الٹ دیا۔ اگر چہ یہ بھی صحیح ہے کہ ایران میں جدید اصطلاحات کا تعلق طبقہ اعلیٰ سے رہا اور عوام کو اس سے لاتعلق رکھا گیا دوسرے شہنشاہیت کا جبر۔ مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہی جبر سعودی عربیہ میں ہے مگر چونکہ وہاں وہابی

MashalBooks.org

علماء حکومت کا ایک حصہ ہیں اس لئے ان کی حکومت کی جڑیں مضبوط ہیں لیکن پٹرو ڈالر کے ہوتے ہوئے اور جدید ٹیکنالوجی کی امپورٹ کے باوجود ذہنی طور پر سعودی عربیہ قرون وسطیٰ میں ہے۔ اس پورے عرصہ میں سعودی عربیہ میں نہ کوئی علمی وادبی ترقی ہوئی اور نہ انہوں نے سائنس وٹیکنالوجی میں کوئی کارنامہ سرانجام دیا بلکہ یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ وہ ایک ایسا معاشرہ ہے جہاں ثقافت نام کی کوئی چیز نہیں۔

اس لئے مسلمان ملکوں، جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔ پسماندگی کا سبب یہ ہے کہ یہاں صنعتی ثقافت کا فروغ نہیں ہوا اور اس لئے ذہنی طور پر یہ یورپی اقوام سے بہت پیچھے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کی مثال سامنے رکھتے ہوئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ محض دولت اور سائنس وٹیکنالوجی کی امپورٹ معاشروں کو ترقی یافتہ نہیں بناتیں۔ اس لئے ذہنی ترقی کا ہونا لازمی ہے اور یہ ذہنی ترقی اس وقت ہوسکتی ہے جب جمہوریت لبرل ازم، سیکولرازم اور انسان دوستی کے نظریات اختیار کیے جائیں اور فرسودہ نظریات سے چھٹکارا پایا جائے۔

ان نظریات کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق مغربی تہذیب سے ہے اور مغربی تہذیب کی اقدار و روایات ہم سے مختلف ہیں۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ ان اقدار کا تعلق کسی خاص جغرافیائی ماحول اور سرحدوں سے نہیں بلکہ یہ یونیورسل اقدار ہیں اور ان کی جڑیں ہر معاشرے کے کلچر میں موجود ہیں، مثلاً جہاں تک سیکولرازم، روشن خیالی، اور رواداری کا تعلق ہے یہ ہماری تہذیب کا حصہ رہی ہیں۔ ہندوستان جہاں مسلمان حکمرانوں نے حکومت کی وہاں انہیں بطور سیکولر حکمرانوں کے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری سے پیش آنا پڑا کیونکہ اس کے بغیر وہ ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں لاتعداد مذاہب وفرقوں کے لوگ تھے، حکومت نہیں کر سکتے تھے۔

دراصل مغرب سے مخالفت کی جڑیں کچھ تو ہماری سیاسی تحریک آزادی میں شامل ہیں کہ جب نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد ہوئی تو مغرب کی مخالفت کی گئی اور ان کی روایات واداروں پر تنقید بھی ہوئی۔ اس کے علاوہ مغرب کی مخالفت کے گہرے جذبات ہمارے علماء نے پیدا کئے کیونکہ وہ جدیدیت اور تبدیلی کو مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز میں انہیں خرابی نظر آتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ جمہوریت سیکولر ازم، اور لبرل ازم کی مخالفت کر کے آمرانہ اور جابرانہ حکومتوں کے ساتھ ہو جاتے ہیں جو

Mashalbooks.org

ن سے اخلاقی و قانونی جواز طلب کرتی ہیں۔ جب پسماندگی کا سوال آتا ہے تو انکے نزدیک اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ہم اسلام سے دور ہو گئے ہیں اور اس کی طرف واپسی ہماری پسماندگی کو ختم کر دے گی۔

یہ سوال کہ کون سا راستہ اختیار کیا جائے نیا نہیں ہے یورپ اس دور سے گزر چکا ہے وہاں بھی قرون وسطیٰ میں چرچ اور راہبروں کا اثر تھا، مذہب وعقیدہ کے جبر کے تلے ذہنی ترقی مفلوج تھی، مگر یورپ کے دانشوروں نے بہت جلد یہ فیصلہ کر لیا کہ ترقی کا راستہ اس میں ہے کہ فرسودہ روایات سے چھٹکارا پا کر ایسے نظریات کو فروغ دیا جائے جن کے ذریعہ معاشرہ کی اکثریت پرانے بندھنوں سے آزاد ہو اور اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر سکے۔ اس لئے پورے عرصہ میں یورپ کے دانش ورانسان دوستی، لبرل ازم، جمہوریت اور سیکولرازم کے نظریات کی تراش خراش کرتے رہے اور بالآخر کامیابی کے ساتھ انہوں نے اپنے معاشرے کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔

زیرنظر کتاب کے مضامین ہمارے دانشوروں کے لئے لمحہ فکریہ ہیں، اس مرحلہ پر جب دنیا تبدیلیوں سے گزر رہی ہے، روایات واقدار بدل رہی ہیں، زمانے کے تقاضے بدل رہے ہیں، انہیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا ہے؟ ان مضامین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یورپ کس طرح اور کیسے اس عمل سے گزرا؟ اگر تاریخ سے کچھ سیکھا جا سکتا ہے تو یہی کہ اس ماڈل کو ہم کس طرح اور کیسے اختیار کریں؟ امید ہے یہ کتاب اس سلسلہ میں رہنما ثابت ہوگی۔

کتاب کا ترجمہ قاضی جاوید کا ہے جب کہ اقبال خان نے جنہیں مرحوم لکھنے کو دل نہیں چاہتا کتاب کے اہم موضوعات پر مختصر نوٹس لکھے تھے۔ شاید وہ ان میں اور اضافہ کرتے یہ نوٹس اب اس لحاظ سے اہم ہیں کہ ہمارے اکثر قارئین کو بنیادی واقعات کے بارے میں کوئی تاریخی شعور نہیں ہے، اس لیے یہ نوٹس ان کے لئے مفید ثابت ہوں گے اور انہیں ان واقعات کی تاریخی اہمیت کا احساس ہوگا۔ اقبال خاں کے نوٹس کتاب کے آخر میں دیئے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر مبارک علی

مئی 1993ء لاہور

انسان دوستی

انسان دوستی کی تحریک کا آغاز

دور جدید کی ذہنی وفکری تحریکوں میں انسان دوستی (Humanism) کو اہم مقام حاصل ہے۔اس کا تعلق کئی بنیادی فلسفیانہ تصورات سے ہے عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اس تحریک کا آغاز اٹلی سے ہوا۔ لہٰذا آیئے پہلے ہم اطالوی انسان دوستی پر ایک نگاہ ڈالیں۔

انسانی دوستی کی تعریف نشاۃ ثانیہ کے زمانے میں کلاسیکی سکالرشپ کے عروج کے حوالے سے کی جاتی ہے۔قرون وسطیٰ میں کلاسیکی علوم کے احیا کی بہت سی کوششیں ہوئی تھیں۔ یہاں ہم خاص طور پر شارلیمن کے دربار سے تعلق رکھنے والے سکالرز کی کاوشوں کا ذکر کر سکتے ہیں۔ یہ کوششیں بارہویں صدی میں بھی جاری رہیں اس زمانے کے مصنفین نے لاطینی زبان کی پرانی کتابوں کو اپنا نمونہ بنایا۔

لیکن اس قسم کی احیائی کاوشیں دیر پا ثابت نہ ہوئیں، انہوں نے اپنے عہد کے شعور پر گہرے نقوش نہ چھوڑے۔ البتہ پندرہویں اور سولہویں صدیوں میں نشاۃ ثانیہ کی انسان دوستی کی تحریک زیادہ متاثر کن ثابت ہوئی۔

ترہویں صدی سے پہلے اٹلی ثقافتی ترقی کے معاملہ میں یورپ سے پیچھے رہ گیا تھا۔کلاسیکی علوم کے حوالے سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بارہویں صدی کے فرانسیسی انسان دوستی کے پائے کی کوئی شے اس کے پاس نہ تھی۔ اس کے باوجود اٹلی میں ایک باقاعدہ روایت ضرور موجود تھی جو اس قرون وسطیٰ کا رشتہ قدیم روم سے استوار کرتی تھی۔ یہ روایت خاص طور پر رومی قانون، گرامر اور بیان ومعانی کے مطالعے پر مبنی تھی۔ یہ علوم

MashalBooks.org

محض اہل کلیسا تک محدود نہ تھے دوسرے لوگوں میں بھی ان کا چرچا تھا۔ یہاں ہم یہ بھی بتا دیں کہ اپنے جغرافیائی محل وقوع کے سبب اٹلی کی یونانی روایت سے بھی متاثر ہوا تھا۔

اطالوی انسان دوستی کی جڑیں زیادہ تر اطالوی کلاسیکی روایت یعنی گرامر بیان و معانی فن خطوط نویسی اور فن خطابت میں پیوست ہیں۔ بارہویں صدی کے اوئل میں ان علوم کے مطالعے کو بولنے کے فن کے علوم کہا جاتا تھا۔ اٹلی کے مختلف حصوں میں ان علوم کو فروغ حاصل ہونے لگا تھا اور شہنشاہ فریڈرک دوم (1215 تا 1250ء) کے عہد میں انہیں خاصی ترقی ملی۔ چودھویں اور پندرھویں صدیوں کی فروغ پذیر انسان دوستی نے اس عمل کو جاری رکھا۔

چودھویں صدی کے بعد سے اطالوی انسان دوستوں کو ابتدائی اور یونیورسٹی کی سطح کی تعلیم میں خاصا اثر و رسوخ حاصل ہونے لگا تھا یہاں تک کہ جلد ہی انہیں یونیورسٹیوں میں گرامر شاعری اور فصاحت کے اساتذہ کا درجہ مل گیا۔

اطالوی یونیورسٹیوں کے پروفیسروں میں سے فصاحت کے اساتذہ اور طلبہ کے لئے پہلے پہل ''انسان دوست'' کی اصطلاح استعمال کرنے کا رواج ہوا تھا تاہم تھوڑے ہی عرصے میں یہ اصطلاح کلاسیکی علوم کے طالب علموں کے لئے بھی استعمال ہونے لگی۔ نشاۃ ثانیہ کے انسان دوستوں کی امتیازی خصوصیت کلاسیکی یونانی، لاطینی اور بعدازاں عبرانی زبان و ادب سے ان کی آشنائی تھی۔ اپنے اسلوب کے لئے وہ انہیں نمونے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ان کی فکری و ادبی تنقید کا خاصا حصہ قرون وسطیٰ کی ثقافت سے ان کی بے زاری کو ظاہر کرتا ہے اور اخلاقی مسائل میں ان کی دلچسپی کا مظہر ہے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ علوم و ادب کے نئے جنم کے عہد میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

عام طور پر اطالوی انسان دوستی کا آغاز پیٹرارک سے کیا جاتا تھا۔ تاہم جدید تحقیقات کی روشنی میں اطالوی امور کے اکثر طالب علم اب انسان دوستی کی تحریک کے آغاز کا تعین چودھویں اور پندرھویں صدیوں سے کرتے ہیں جب کہ وہ نشاۃ ثانیہ کو سولہویں صدی سے مخصوص کرتے ہیں اس طرح وہ انسان دوستی اور نشاۃ ثانیہ کو دو مختلف ذہنی تحریکیں قرار دیتے ہیں۔

بعض دوسرے جدید سکالرز اطالوی انسان دوستی کو صرف پندرہویں صدی کے

نصف اول تک محدود کرنے کا رجحان رکھتے ہیں لیکن اگر ہم انسان دوستی کو نشاۃ ثانیہ کے دوران کلاسیکی علوم کے احیا کی تحریک قرار دیں تو پھر اطالوی انسان دوستی کا زمانہ سترہویں صدی تک پھیل جاتا ہے۔ یہ تحریک سولہویں صدی کے اوائل میں عروج کو پہنچ چکی تھی۔ اس صدی کے آخری عشروں میں سکالرز کو رفتہ رفتہ احساس ہونے لگا تھا کہ بعض شعبوں میں وہ نہ صرف قدما کے درجے کو پہنچ گئے ہیں بلکہ ان سے آگے بھی نکل گئے ہیں۔ لہٰذا وہ محسوس کرنے لگے کہ اب ترقی کا انحصار کلاسیکی نمونوں کی نقل پر نہیں رہا بلکہ انہیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ یوں ان میں خود انحصاری پیدا ہونے لگی وہ لکیر کے فقیر نہ رہے بلکہ نئے تجربوں پر آمادہ ہونے لگے۔ یوں سترہویں صدی کے دوران فلسفے اور سائنس میں ایک نیا دور شروع ہوا۔

قدیم رومی ادب کے بارے میں علم کے فروغ کی بنیاد یہ تھی کہ انسان دوستوں نے قدیم مسودے دریافت کئے اور انہیں شائع کروایا۔ قرون وسطیٰ کے دوران اور جل اور سینکا جیسے کئی رومی ادیب جانے پہچانے تھے۔ انہیں وسیع پیمانے پر پڑھا جاتا تھا۔ تاہم کلریشش ٹے سی ٹس اور منیلیوس جیسے مصنفین فراموش ہو چکے تھے۔ انہیں از سر نو دریافت کرنے کی ضرورت تھی یہ کام انسان دوستوں نے سرانجام دیا۔

دوسرے مصنفین میں سسرو جیسے لوگ شامل تھے جن کی بعض کتابیں قرون وسطیٰ میں خاصی مشہور تھیں جبکہ بعض دوسری کتابیں گمنام ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سسرو کی کتاب ''بروٹس'' اس کے مکتوبات اور بعض تقریروں کو دوبارہ منظر عام پر لایا گیا۔ کلاسیکی علوم کے شعبے میں اطالوی انسان دوستوں کی بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف فراموش شدہ قدیم لاطینی ادب کو از سر نو دریافت کیا بلکہ اس کی تدوین کی اور بعد ازاں اسے چھپوانے کا اہتمام بھی کیا۔

جب پندرہویں صدی میں یونانی علوم کا بھی مطالعہ شروع ہوا تو اطالوی انسان دوستی اپنے بلوغت کے درجے کو پہنچ گئی۔ 1453ء میں بازنطینی سلطنت کے زوال سے یونانی علوم کے مطالعے کو ایک نیا محرک حاصل ہوا کیونکہ بہت سے یونانی سکالروں نے اٹلی میں پناہ لے لی تھی۔ بعد ازاں یونانی ادب کے لاطینی تراجم کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو گیا خاص طور پر ہومر، افلاطون، ہیروڈوٹس اور بعض دوسرے کلاسیکی یونانی مصنفین کی

MashalBooks.org

کتابیں لاطینی میں ترجمہ ہوئیں۔ اٹلی کا رخ کرنے والے یونانی سکالروں کی نمایاں خدمات یہ تھیں کہ انہوں نے کلاسیکی کتابوں کو محفوظ رکھا وگرنہ بازنطینی مشرق پر ترکوں کے قبضے کے بعد ان کتابوں کے ضائع ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

چودھویں سے سولہویں صدی کے دوران اطالوی انسان دوستی کی زیادہ تر اشاعت نجی رابطوں کے ذریعے ہوتی رہی۔ البتہ آخری زمانے میں پریس نے بھی اس کام میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا کوہ آلپس کے شمالی علاقوں کے سینکڑوں طلبہ اطالوی یونیورسٹیوں کا رخ کرنے لگے تھے جہاں وہ قانون یا طب کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے انسانی علوم کے مطالعات سے بھی روشناس ہو جاتے۔ اس زمانے میں انسان دوست تحریک اور احیائے علوم کی ثقافت کے ملاپ نے اٹلی کو ایسی تہذیبی برتری عطا کر دی جو اسے قرون وسطٰی میں حاصل نہ تھی اور نہ ہی دوبارہ ہونے والی تھی۔

دوسری طرف اٹلی کے شہری، کوہ آلپس کے جنوب میں واقع علاقوں کی طرف پوپ کارڈنلز اور شہزادوں کے ملازموں کی حیثیت سے جایا کرتے تھے۔ چرچ کونسلوں میں شرکت کی غرض سے بھی وہ ان علاقوں کا رخ کیا کرتے تھے ان میں سے بعض، کم از کم عارضی طور پر غیر ملکی شہزادوں کی ملازمت بھی کر لیتے تھے۔ بعض دوسرے اطالوی فرانسیسی جرمن اور انگلستانی یونیورسٹیوں میں حصول علم کی خاطر جاتے تھے بعض اطالوی عالموں نے اٹلی میں انسانی علوم کا مطالعہ کرنے کے بعد بال، کیمرج، آکسفورڈ، لووین، وی آنا اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں گرامر اور بلاغت کے مضامین پڑھانا شروع کر دیے اس طرح انہوں نے وہاں انسانی علوم کو متعارف کروایا۔ کلاسیکی مصنفین کے ساتھ ساتھ اطالوی انسان دوستوں کی کتابیں بھی نصاب کا حصہ بن گئیں یوں انہیں شہرت حاصل ہونے لگی اطالوی انسان دوستوں اور دوسرے ملکوں میں ان کے ہمسروں کے درمیان خط و کتابت اور مسودوں کے پھیلاؤ اور کتابوں کی اشاعت سے ان رابطوں میں مزید گہرائی اور وسعت پیدا ہوئی۔ یوں یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی انسان دوستی کا چرچا ہونے لگا۔ یہاں یہ تحریک پندرہویں صدی کے اواخر اور سولہویں صدی کے دوران عروج کو پہنچی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اطالوی انسان دوستی زوال پذیر ہونے لگی تھی۔

MashalBooks.org

انسان دوستی کے معنے

یہ ہے اٹلی میں انسان دوستی کی تحریک کے آغاز وارتقاء کا مختصر جائزہ۔ یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ اس تحریک کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ کلاسیکی علوم اور ادب کا مطالعہ کیا جائے بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان میں زندگی اور انسان کے متعلق جو شعور ملتا ہے اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔ ان میں ایسی فکر اور سمجھ کارفرما تھی جو انسان کو مرکزی حیثیت دیتی ہے اس کی قدر و قیمت کو اولیت دیتی ہے اور اسے تمام اشیاء کو جانچنے کا معیار ٹھہراتی ہے اسی طرح وہ انسانی فطرت، اس کی حدود اور اس کے مفادات کا تجزیہ کرتی ہے۔ آیئے اس حوالے سے ہم انسان دوستی پر نگاہ ڈالیں۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا اپنے اولیں مفہوم میں انسان دوستی نشاۃ ثانیہ کا ایک بنیادی پہلو ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس کے وسیلے سے نشاۃ ثانیہ کے دانش وروں نے انسان کو فطرت اور تاریخ کی دنیا سے از سرنو منضبط کرنے اور اس حوالے سے اس کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

اس مفہوم میں انسان دوستی کی اصطلاح (Humanitas) سے اخذ شدہ ہے سسرو اور وارو کے زمانے میں اس سے مراد انسان کی تعلیم لے جاتی تھی۔ یونانی اس کے لئے paideia کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ اس سے مراد وہ تعلیم ہے جو انسان کو دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ انسان دوستوں کا موقف یہ تھا کہ کلاسیکی ادب کی تعلیم کے ذریعے انسان کی اس روح کو دوبارہ پیدا کیا جا سکتا ہے جو کلاسیکی دور میں کارفرما تھی لیکن قرون وسطیٰ میں ختم ہو گئی تھی۔ یہ روح ایک آزادی کی روح تھی اور انسان کے اس دعوے کا جواز مہیا کرتی تھی کہ وہ عقلی طور پر ایک خودمختار ہستی ہے وہ انسان کو اس قابل بناتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو فطرت اور تاریخ سے ماورا نہیں بلکہ ان میں ملوث ہستی کے طور پر دیکھے اور ان دونوں دائروں کو اپنا بنائے۔

قدیم روم و یونان کی طرف واپسی پر زور دینے والے انسان دوستوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ ماضی کو پھر سے زندہ کیا جائے۔ وہ تو قدما کی ان صلاحیتوں اور قوتوں کو از سرنو زندہ کرنے اور انہیں ترقی دینے کے خواہاں تھے جو مذہب کے غلبے کے باعث قرون وسطیٰ

میں تباہ ہوئی تھیں۔ اس قسم کی واپسی کا ذکر کر کے انسان دوست قرون وسطیٰ کے مذہبی ورثے کو رد کرتے تھے اور اس کی جگہ کلاسیکی دنیا کے ورثے سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے وہ لوگ شاعری فصاحت و بلاغت، تاریخ، اخلاقیات اور سیاسیات کو بہت اہمیت دیتے تھے ان کے نزدیک یہی علوم انسان کی تعلیم و تربیت کر سکتے تھے اور اسے اب ایسا مقام عطا کر سکتے تھے جہاں وہ اپنی آزادی کو بروئے کار لا سکے۔

آزادی

آزادی کی قدر افزائی درحقیقت انسان دوستوں کا اہم موضوع رہا ہے۔ ان کو ایسی آزادی میں دلچسپی ہے جس کو انسان فطرت اور معاشرے میں بروئے کار لا سکتا ہے اور اسے لانا بھی چاہیے۔ سلطنت، مذہب اور جاگیرداری نظام قرون وسطیٰ کی دنیا کے بنیادی ادارے تھے وہ سب کے سب ایک ایسے کائناتی نظام کے محافظ دکھائی دیتے تھے جس کو قبول کرنے پر انسان مجبور تھا اور اس نظام میں ذرا سی ترمیم بھی کرنے کا مجاز نہیں تھا ان اداروں کا کام اس عقیدے کو مستحکم کرنا تھا کہ دال روٹی سے لے کر سچائی تک انسان کو جن مادی اور روحانی چیزوں کی حاجت ہوسکتی ہے وہ سب کی سب اسی کائناتی نظام سے حاصل ہوتی ہیں یا صحیح معنوں میں ان درجاتی اداروں سے جو سلطنت، گرجا اور جاگیرداری کی شکل میں اس نظام کے محافظ ہیں۔ انسان دوستی کا ظہور ان شہروں اور کمیونز میں ہوا جو اپنی خود مختاری کے لئے جدو جہد کرتے رہے تھے اور ابھی تک ان کی جدو جہد جاری تھی یہ شہر اور کمیون روایتی درجاتی نظاموں کو ان اشیا کے حصول میں رکاوٹ سمجھتے تھے جو ان کے لئے ضروری ہیں۔ وہ انسان کی آزادی کا دفاع کرتے تھے تاکہ وہ اپنی مرضی سے زندگی بسر کرنے کا موقع مل سکے۔

بہت سے انسان دوست دانش وروں نے آزادی کی تعریف کرتے ہوئے انسان کی اپنی دنیا تعمیر کرنے، اسے بدلنے اور ترقی دینے کی صلاحیتوں کے گن گائے ہیں۔ ان میں سے ایک پکو ڈیلہ میرانڈولہ (1396ء تا 1459ء) نے انسان پر اپنے اعتماد کا اظہار ان مشہور الفاظ میں کیا ہے جو اس نے اپنی کتاب ''انسان کی عظمت پر ایک خطبہ'' میں خدا سے منسوب کئے ہیں پکو کے الفاظ میں خدا آدم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

MashalBooks.org

اے آدم، میں نے تمہاری تقدیر نہ ہی پہلے سے طے کی ہے اور نہ ہی تمہیں کوئی خصوصی مراعات دی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم خود اپنے فیصلے اور انتخاب کے ذریعے یہ سب کچھ حاصل کرو۔ تمہارے سوا میری تمام مخلوقات میرے طے کردہ قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتی ہیں ان کی فطرت ہی یہی ہے لیکن تم اپنی فطرت کا تعین کسی رکاوٹ کے بغیر اس آزادی کے ذریعے خود ہی کرو گے جو میں نے تمہیں عطا کی ہے۔ میں نے تمہیں کائنات کے مرکز میں رکھ دیا ہے تا کہ اس مقام سے تم بہتر نظارہ کرسکو۔ تم نہ ہی آسمانی مخلوق ہو نہ ہی محض اس دنیا کی تم نہ فانی ہو اور نہ ہی لافانی یہ اس لئے ہے کہ ایک آزاد اور خود مختار دستکار کی طرح تم اپنے آپ کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال سکو۔

بعد ازاں اس موضوع کو فرانسیسی انسان دوست Charles Bouille (1475ء تا 1535ء) نے اپنی کتاب ''De Sapiente'' میں اٹھایا۔ اس کتاب میں دانا انسان کا موازنہ پرومیتھیس سے کیا گیا ہے کیونکہ دانائی انسان کو اس کی فطرت کی تکمیل کرنے والی قوتیں عطا کرتی ہیں۔ یہاں ہم ان نظریات کا سامنا کرتے ہیں جن میں ہمیں انسان کی اپنی زندگی خود بنانے کی صلاحیت میں پرزور اعتمادی نظر آتی ہے۔ جب انسان دوستی کی تحریک اٹلی سے باہر نکل کر یورپ میں پھیلی تو اس زور اعتمادی پر شک کیا جانے لگا اور اس طرح اس نظریہ میں معتدل مزاجی آئی۔ بہرحال اٹلی کے دانشوروں نے انسان کی قوتوں پر جس اعتماد کا اظہار کیا تھا اس نے ایک ایسی ذہنیت کی تشکیل کی جو قرون وسطیٰ کی ذہنیت کی ضد تھی۔

فطرت پرستی

اگر فطرت پرستی سے مراد یہ ہے کہ انسان فطرت کا حصہ ہے یعنی فطرت انسان کی قلم رو ہے اور وہ اس سے تعلق جوڑنے والے عوامل یعنی اپنے جسم اپنی ضروریات اور ادراک سے خود کو جدا نہیں کرسکتا اور نہ ہی انہیں نظر انداز کرسکتا ہے، تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں

کہ انسان دوستی میں فطرت پرستی بھی مضمر ہوتی ہے۔ اگر چہ انسان دوست روح کی قوتوں کے سبب انسان کے گن گاتے تھے لیکن انہوں نے جسم کو نظر انداز نہ کیا تھا وہ مسرت و شادمانی کی قدر و قیمت کا اعتراف کرتے تھے۔ قرون وسطیٰ کی رہبانیت انہیں ناگوار گزرتی تھی اس طرح وہ انسان کے فطری پہلوؤں کی اہمیت کا اقرار کرتے تھے

اس رویے کا ایک واضح اظہار لورنیز وویلہ (1407ء تا 1457ء) کی کتاب ’’De Voluptate‘‘ میں ملتا ہے اس کا کہنا ہے کہ انسان کے لئے سب سے اچھی چیز خوشی ہے۔ خوشی انسانی جدوجہد کا واضح مطمع نظر ہے۔ شہری انتظام کے قوانین افادی نقطہ نظر سے بنائے جاتے ہیں اور بدلے میں وہ خوشی کو جنم دیتے ہیں۔ ہر حکومت کا مقصد ہی خوشی اور مسرت کو پیدا کرنا ہے۔ نیکی بھی اصل میں خوشی کا دوسرا نام ہے۔ طب، قانون، شاعری اور خطابت جیسے لبرل آرٹس کا مقصد بھی خوشی پیدا کرنا ہے۔

اپنی ایک اور کتاب میں ویلہ نے اس نظریے کی تردید کی ہے کہ رہبانیت کی زندگی مذہبی اعتبار سے اعلیٰ تر ہوتی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتا تھا کہ رہبانی مسلکوں سے تعلق رکھنے والے افراد ہی نہیں، بلکہ وہ تمام لوگ حضرت عیسیٰ کے نقش قدم پر چلتے ہیں جو اپنے افعال خدا کی خاطر کرتے ہیں۔ ویلہ کی طرح بعض دوسرے انسان دوست دانش وروں نے بھی رہبانیت اور راہبانہ طرز حیات کے خلاف بحث کو جاری رکھا۔

اخلاقی زندگی میں مسرت کی اہمیت تسلیم کرنے سے انسان دوست اپی کیورس کی حمایت کرنے لگے۔ قرون وسطیٰ کے مفکر اس فلسفی کو بدی کا حکیم سمجھتے تھے۔ اس کے بر خلاف انسان دوست اپی کیورس کو ایسا فلسفی قرار دینے لگے جو انسانی دانائی کا نمونہ تھا اور جو انسان کو اس کی حقیقی فطرت کے حوالے سے دیکھتا تھا۔

انسان دوست دانش ور انسان کے سماجی اور سیاسی کردار کو تسلیم کرتے تھے۔ وہ غور و فکر کی زندگی پر عمل کرنے کی زندگی کو نیز طبیعیات اور مابعد الطبیعیات پر اخلاقی فلسفے کو ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک لیورنارڈو برونی (1370ء تا 1444ء) نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اخلاقی فلسفہ ہمارا اپنا فلسفہ ہے اس سے انحراف کر کے طبیعیات پر توجہ دینے والوں کا حال ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے دیس کے معاملات کو نظر انداز کر کے پردیس کے مسائل میں دلچسپی لینے لگے۔

MashalBooks.org